اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۲ اگست ۱۹۹۴ء کو وزیر اعظم صاحبہ کی سر براہی میں کابینہ کے اجلاس میں دوسرے فیصلوں کے ساتھ ایک فیصلہ یہ بھی کیا گیا کہ معاشرے کے کمزور طبقوں یعنی خواتین، بچّوں اور اقلیّتوں کے حقوق کے تحفّظ کے لیے ایک ٹربیونل قائم کیا جائے گا۔ کابینہ کے اجلاس کے بعد وزیر اطلاعات نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ ٹربیونل سے متعلق مسودّہ قانون میں ایسے اقدامات تجویز کیے جائیں گے جن سے کمزور طبقوں کے حقوق کی پامالی کو مؤثر طور پر روکا جاسکے گا۔ ٹربیونل کے سربراہ سپریم کورٹ کے ایک جج ہوں گے اور اِس ادارے کو سول عدالت کے اختیارات حاصل ہوں گے جو انسانی حقوق کے حوالے سے کسی "حادثے" پر از خود تحقیقات کا آغاز کر سکے گا یا کوئی بھی پاکستانی شہری ٹربیونل میں درخواست دائر کر سکے گا۔

ابھی یہ واضح نہیں کہ ٹربیونل کی ہیئت کیا ہوگی؟ اور ٹربیونل اپنے مقصدِ وجود کے لحاظ سے کس حد تک کامیاب ہوگا؟ البتہ اِس مرحلے پر یہ سوال اہم ہے کہ ٹربیونل کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟

—— کیا وطنِ عزیز میں انسانی حقوق کے تحفّظ کے لیے قانونی ڈھانچہ اور ضروری ادارے موجود نہیں ہیں؟

—— اگر ادارے موجود ہیں تو کیا یہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ناکام ہوگئے ہیں کہ ایک نئے ادارے کی تشکیل ضروری خیال کی گئی ہے۔

جہاں تک قانونی ڈھانچے اور اداروں کا تعلق ہے، یہ وطنِ عزیز میں کسی بھی دوسرے جمہوری ملک کی طرف موجود ہیں، مگر انتظامیہ، عدالتیں اور "خصوصی اقدامات" کمزور طبقوں کے حقوق کا مؤثر طور پر تحفّظ کرنے میں پورے طور پر کامیاب نہیں۔ انتظامیہ میں در آنے والی اخلاقی خامیوں نے عوام کو مایوس کیا ہے اور عدالتی عمل نہ صرف طویل اور مہنگا ہے، بلکہ معاشرے کی سماجی برائیوں نے اِسے بھی بُری طرح متاثر کیا ہے۔ معاشرے کے بااثر افراد زیردست اور کمزور لوگوں کے مقابلے میں انتظامیہ اور دوسرے اداروں کو متاثر کرنے کی صلاحیّت رکھتے ہیں اور کمزور طبقوں کے افراد بالعموم محسوس کرتے ہیں کہ آئے دن کے حکومتی وعدوں کے باوجود صورتِ حال میں چنداں تبدیلی نہیں آتی۔

اگر قانونی ڈھانچے اور اِس سے متعلق اداروں کی اصلاح کی ضرورت ہے تو اِس سمت میں اقدامات کیے جانے چاہییں۔ اِن اداروں کو اپنے حال پر چھوڑ کر محض نئے اداروں کی تشکیل سے شاید مسائل حل نہیں ہوسکتے۔

انسانوں بلکہ جانداروں کے حقوق کی باتیں کرنا آج کل فیشن کا حصّہ ہے۔ تیسری دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح وطنِ عزیز میں گزشتہ عشرے میں متعدّد ایسی تنظیمیں وجود میں آئی ہیں جو انسانی حقوق کے نام پر کام کر رہی ہیں۔ ان تنظیموں کے کرتا دھرتا مسلمان ارکان بالعموم معاشرے کے اعلیٰ طبقے کے نمائندہ ہیں جو اپنی تربیّت اور سوچ کے حوالے سے وطنِ عزیز کے اسلامی تشخص سے زیادہ مغرب کی لبرل اقدار کے داعی ہیں۔ اقلیّتی برادریوں کے سر کردہ رہنما جہاں ان تنظیموں میں متحرک ہیں، وہیں انہوں نے اپنی الگ تنظیمیں بھی قائم کر رکھی ہیں۔ لبرل اپیل کی بدولت مغربی دُنیا کی "ہم فکر" تنظیموں کے ساتھ وطنِ عزیز کی ان تنظیموں کے روابط ہیں اور مغربی ذرائع ابلاغ میں انہیں پوری پروجیکشن دی جا رہی ہے۔ اِن تنظیموں کو بحیثیت مجموعی اِس بات سے کوئی غرض نہیں کہ مغرب کی بہت سی لبرل اقدار ہمارے نظامِ اخلاق و معاشرت کے خلاف ہیں۔ اس صورت حال سے قطع نظر یہ بات اپنے طور پر درست معلوم ہوتی ہے کہ انسانی حقوق کے لیے متحرک یہ تنظیمیں پریشر گروپس کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں اور حکومتِ وقت کے لیے انہیں نظر انداز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

چند ماہ پہلے وزارتِ داخلہ میں انسانی حقوق سے متعلق ایک سیل (Cell) قائم کیا گیا۔ اسی طرح حزبِ اختلاف کی بڑی جماعت نے ایک ایسا گروپ تشکیل دے رکھا ہے جو "انسانی حقوق" کے حوالے سے برسرِ اقتدار جماعتوں کی ناکامیوں کو اجاگر کرنا چاہتا ہے۔ مجوزہ ٹربیونل کی تشکیل میں شاید انسانی حقوق کی ان تنظیموں کا دباؤ بھی شامل ہے۔

انسانی (اور بالخصوص کمزور طبقوں کے) حقوق کے تحفّظ کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ قانونی ڈھانچہ موثر ہو، انتظامیہ بلند انسانی اقدار کے حصول کے لیے کوشاں ہو، عدالتوں کا نظام صاف ستھرا ہو، ظالم اپنے کیے کی سزا سے بچ نہ سکے اور مظلوم داد رسی سے محروم نہ رہے، وہیں انسانی حقوق کے تحفّظ کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں موزوں سیاسی، سماجی اور اقتصادی تبدیلیوں کی کوشش کی جائے۔ جس معاشرے میں دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہو، سماجی اونچ نیچ ہو اور سیاست پیسے کا کھیل ہو، کیا وہاں کمزوروں کے انسانی حقوق کا واقعی تحفّظ ہو سکتا ہے؟ انسانی حقوق کے بلند نصب العین کے لیے کوشاں تنظیموں کو اپنے دائرہ کار کو ذرا پھیلانا چاہیے اور معاشرتی روّیوں کے بدلنے کی فکر کرنا چاہیے۔